محسن فارانی
قسط:3

لغزشیں اہل صحافت کی

یونان اور یُنّان

چین کا ایک صوبہ ہے یُنّان (Yunnan) جس کی سرحدیں میانمار (برما) اور لاؤس سے ملتی ہیں۔ اُردو کے اکثر صحافتی قلم کار اُسے یونان لکھ ڈالتے ہیں اور اس پر غور نہیں کرتے کہ کہاں جنوب مشرقی یورپ کا ملک یونان اور کہاں چین کا ایک دُور دراز صوبہ!... ویسے یونان جسے ہم پاکستانی قدیم عربی کی پیروی میں یونان کہتے ہیں، انگریزی میں گریس (Greece) اور جدید عربی میں اِغریق کہلاتا ہے۔ اسی لیے یونانیوں کو انگریزی میں The Greek اور جدید عربی میں اِغریقی کہا جاتا ہے۔ دراصل قدیم یونانی آئیو (Io) دیوی کی نسبت سے 'آئیونین' کہلاتے تھے اور ان کے مسکن کو آئیونیا کہا جاتا تھا۔ اس سے عربوں اور ایرانیوں میں یونان کی اصطلاح مشہور ہوئی۔ دیکھیے سرسید احمد خاں نے یونان کس معنی میں استعمال کیا ہے ؎

مسیحا رشک می آید ز درمانے کہ من دارم　　　　فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم

"میرے پاس جو علم کا یونان ہے اس کے آگے افلاطون تو ایک بچہ ہی ہو گا اور میرے پاس تمھارے مرض کا جو علاج ہے، اس پر مسیحا کو بھی رشک آتا ہے۔"

آسٹریا اور آسٹریلیا

خبر آئی تھی وی آنا سے! اور باخبر اصحاب جانتے ہیں کہ وی آنا (دارالحکومت) اور آسٹریا (ملک) لازم و ملزوم ہیں مگر اخبار کے بے خبر مترجم نے کماحقہ توجہ دیے بغیر آسٹریا کو آسٹریلیا بنا ڈالا اور آسٹریا کے صدر ہنز فشر کو آسٹریلیا کا صدر لکھ دیا، حالانکہ آسٹریلیا میں صدر نہیں ہوتا، گورنر جنرل سربراہِ مملکت ہوتا ہے۔ غالباً معصوم خبر نگار کو علم ہی نہ تھا کہ وی آنا وسطی یورپ کا ایک تاریخی شہر ہے۔ اس نے بس کرکٹ کے حوالے سے آسٹریلیا کا نام بکثرت سُن رکھا ہو گا، لہٰذا فوراً وی آنا (آسٹریا) کا تعلق آسٹریلیا سے جوڑ دیا جس کا دارالحکومت کینبرا ہے اور

اس کے مشہور شہر سڈنی، برسبین، میلبورن، پرتھ، ڈارون اور ایڈیلیڈ ہیں۔ اکثر خبر نگار بغیر سوچے Austria کو Australia بنادیتے ہیں۔ ویسے بھی آسٹریلیا کی طرف پاکستانیوں کا میلان زیادہ ہے کیونکہ بہت سوں کا کوئی عزیز یا دوست آسٹریلیا میں روزی کما رہا ہوتا ہے اور جرمن سپیکنگ آسٹریا کی نسبت انگلش سپیکنگ آسٹریلیا کی خبریں کثرت سے آتی رہتی ہیں۔

اعظمیہ کی بگڑی شکل

جب عرب ممالک کے نام انگریزی میڈیا کے ذریعے سے اُردو کی سان پر چڑھتے ہیں تو عجب عجب لطیفے سرزد ہوتے ہیں۔ بغداد کی ایک آبادی کا نام اعظمیہ ہے جہاں امام اعظم ابوحنیفہ مدفون ہیں۔ اعظمیہ میں ہونے والے ایک خودکُش دھماکے کا ذکر تھا اور خبر نگار نے اسے 'ادھمیجا' بنادیا۔ دراصل عربی ناموں کو انگریزی میں لکھتے وقت کبھی حرف 'ض' کے لیے dh استعمال کرتے ہیں جیسے Riyadh (ریاض) اور کبھی 'ظ' کے لیے dh آتا ہے جیسے Abu Dhabi (ابوظبی)۔ ایسے ہی اعظمیہ (Adhamiyyah) میں dh کی غلط فہمی سے اچھا بھلا اسلامی نام بگڑ کر ناقابل فہم ہو گیا۔ جہاں تک 'ابوظبی' کا تعلق ہے تو اس کے لغوی معنی ہیں: 'ہرنوں والا' یا 'ہرنوں کا دیس' مگر ہمارے ہاں ترجے اور بول چال میں اسے Abu Dhabi سے ابودہبی یا ابوظہبی بنادیا جاتا ہے۔

بحراوقیانوس اور بحرالکاہل

وہ جو کہتے ہیں: 'حامد کی ٹوپی محمود کے سر' تو اس کی مثالیں اُردو صحافت میں بار بار دیکھنے میں آتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی بحراوقیانوس (Atlantic) اور بحرالکاہل کے بارے میں گڑبڑا جاتے ہیں، خصوصاً اخباری مترجمین تو اکثر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور تو اور اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں بھی مراکش کے ایک شہر کے متعلق لکھا دیکھا کہ یہ بحرالکاہل کے ساحل پر واقع ہے، حالانکہ مراکش سے بحرالکاہل (Pacific) کا دُور کا بھی تعلق نہیں۔ مراکش کے مغرب میں بحراوقیانوس ہے اور شمال میں بحیرۂ روم (Mediterranean) اور آبنائے جبل الطارق (جبرالٹر)۔ اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ دراصل لائڈن (نیدرلینڈ) کے 'انسائیکلوپیڈیا آف اسلام' کا ترجمہ اور اضافہ شدہ ہے جس کے باعث ایک فاش غلطی اس میں درآئی۔ گڑبڑ سے بچنے کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بحراوقیانوس اور بحرہند کی نسبت بحرالکاہل میں

زیادہ شدید طوفان نہیں آتے، اس لیے اسے کاہل (Pacific) کہا گیا۔ پھر اس کے بعد دوسرا بڑا سمندر تو بحر اوقیانوس (Atlantic) ہی ہے۔

شاق اور شاک

ایک قلم کار نے لکھا یا کمپوزر نے یوں کمپوز کیا: "اُنھیں قوم کی بے راہروی شاک گزرتی ہے۔" اُردو میں 'شاق گزرنا' تو ہے جس کے معنی ہیں: 'ناگوار ہونا' مگر یہ 'شاک گزرنا' لفظی مشابہت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ 'شاق' عربی لفظ شق (پھاڑنا) سے مشتق ہے بلکہ یہ مشتق (پھاڑا گیا، لیا گیا) بھی مادہ 'شق' ہی سے ہے جس سے مصدر اِشتِقاق (اخذ کرنا یا لینا) بھی ہے۔ اس کے برعکس انگریزی لفظ شاک (Shock) کے معنی ہیں: 'صدمہ' یا 'صدمہ پہنچانا'۔ اس طرح کی غلطیاں اب عام ہو رہی ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

باق اور باک

عربی لفظ 'باق' کے معنی ہیں: 'باقی'۔ یوں 'بے باق' کے معنی ہوئے: 'باقی نہ بچنا' اور اسی لیے 'حساب بے باق کرنا' بولتے لکھتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں 'باک' کے معنی ہیں: 'ڈر' اور 'بیباک' یا 'بے باک' نڈر اور بے خوف کے معنی دیتا ہے۔ مسئلہ اس وقت بنتا ہے جب نو آموز قلم کار ان کے معنوی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے 'حساب بیباک کر دیا' یا 'اس نے بیباقی سے اظہارِ خیال کیا' لکھ ڈالتے ہیں۔ اہل زبان اس طرح بھی بولتے ہیں: "مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ..."

بَید اور بَیدِ مجنوں

سابق سعودی سفیر عبد العزیز ابراہیم الغدیر کے انٹرویو میں ایک محترمہ نے لکھا: "براؤن رنگ کا بینت کا بنا صوفہ سعودی پرچم کے پاس رکھا گیا تھا۔" اُردو کا لفظ 'بید' ہے جسے پنجابی میں 'بینت' کہا جاتا ہے۔ ہم پنجابی الفاظ کو اُردو میں داخل کرنے کے خلاف نہیں لیکن جو آسان اور عام فہم اُردو الفاظ مستعمل ہیں، ان کی جگہ غیر ضروری طور پر پنجابی یا دیگر زبانوں کے الفاظ لانا مستحسن نہیں۔ 'بید' سے بید انجیر (ارنڈ کا درخت)، بیدِ مجنوں (جس کی شاخیں جھکی رہتی ہیں) اور بیدِ مشک کی ترکیبیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ بیدِ مشک کا عرق دل کی فرحت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ شریر یا کام چور لڑکوں کو اُستاد بید زنی

کی سزا دیتے تھے، یہ "مار نہیں، پیار" کے فلسفے سے پہلے کی بات ہے۔ ویسے بَید یا وَید ہندی میں طبیب کو بھی کہتے ہیں اور وید یا بید ہندوؤں کی مذہبی کتابیں بھی ہیں۔

نصیبین سے جنّوں کی آمد

سیرت کی کتابوں میں نَصِیبِین (ترکی) سے وادی نخلہ (مکہ) میں جنوں کی آمد کا ذکر ہے جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے قرآنِ کریم کی تلاوت سُنی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ جن ؔمیں اس واقعے کا بیان ہے۔ ان دنوں نَصِیبِین کو نُصَیبِین (Nusaybin) کہا جاتا ہے۔ یہ شہر جنوب مشرقی ترکی میں شام کی سرحد پر واقع ہے۔ ۹/اکتوبر کے اخبار میں خبر تھی کہ

> "ترکی نے شام سے ملحقہ سرحد پر ۲ میٹر اونچی دیوار تعمیر کرنا شروع کر دی ہے تاکہ شامی باشندوں کی غیر قانونی نقل و حمل کو روکا جاسکے۔ سرحدی علاقے نوسع بن میں تعمیراتی کام شروع ہو چکا ہے۔"

ظاہر ہے اخباری مترجم کا 'نوسع بن' دراصل تاریخی شہر نُصَیبِین ہے۔ کسریٰ نوشیرواں کو جب یہ شہر فتح کرنے میں مشکل پیش آئی تھی تو اس نے طیر انشاہ (ایران) سے بڑی تعداد میں بچھو منگوائے اور جب شیشے کی بوتلوں میں بھرے 'بچھو بم' منجنیق سے شہر پر پھینکے گئے تو اہل شہر نے تنگ آکر شہر کے دروازے کھول دیے۔ پھر ایک سو برس بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں نصیبین میں بچھوؤں کی اس قدر کثرت تھی کہ حاکم شہر نے امیر المومنین کے حکم پر بچھو مارنے والوں کے لیے انعام مقرر کر دیا۔ یوں شہریوں کو ان موذیوں سے نجات مل گئی۔

'ہیر ونیشا' اور خیر النساء

سابق صدرِ ترکیہ عبداللہ گُل کی اہلیہ کا نام خیر النساء ہے مگر بعض اُردو اخبارات میں اسے 'ہیر ونیشا' لکھا جاتا رہا جو ترکی زبان کے لاطینی رسم الخط کا شاخسانہ ہے کیونکہ اس میں حرف 'خ' کے لیے H استعمال ہوتا ہے۔ ترکی زبان کا عربی فارسی رسم الخط یہود و نصاریٰ کے فکری ایجنٹ مصطفیٰ کمال اتاترک (متوفی ۱۹۳۸ء) نے ختم کر کے اس کی جگہ لاطینی رسم الخط جبراً رائج کر دیا اور یوں ترکوں کو ان کے اسلامی ورثے (عربی اور فارسی کے علوم) سے محروم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں آج ترکوں کی نوجوان

نسل اکثر قرآنِ مجید کی تلاوت کے شرف سے قاصر ہے۔ لاطینی رسم الخط میں خیر النساء کو Herunnisa لکھا جانے لگا جو ہمارے ہاں ہیر النساء یا ہیر ونیشا بن گیا۔ ایسے ہی ترک وزیر اعظم احمد داؤد اوغلو کا نام ترکی میں Ahmet Davut Oglu لکھا جاتا ہے جسے 'امورِ ترکی کے ماہر' فرخ سہیل گوئندی اپنے کالم میں بالالتزام 'احمت دعوت اوگلو' لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ترکی کے بار بار کے دوروں کے بعد بھی وہ ترک وزیر اعظم کے اسلامی نام کو اُردو میں درست طور پر نہیں لکھ رہے۔

گوئندی صاحب کے ممدوح اور اتاترک کے فکری شاگرد سابق ترک وزیر اعظم کا نام بلند اَجود تھا جو انگریزی سے ترجمہ ہو کر ہمارے ہاں بلنت اجوت بن جاتا تھا کیونکہ لاطینی رسم الخط میں اسے Bulent Ecevit لکھا جاتا ہے۔ اسلام پسند ترک وزیر اعظم نجم الدین اربکان کا نام جسے لاطینی حروف میں Necmettin Erbakan لکھا جاتا تھا، اردو میں نسمتین اربکان بن جاتا تھا۔

ایک افسوسناک لطیفہ دیکھیے۔ ع س مسلم استنبول میں ایک تاریخی مسجد دیکھنے گئے۔ وہاں نوجوان ترک گائیڈ دیوار پر نقش عربی عبارت کو Our National Heritage (ہمارا قومی ورثہ) بتا رہا تھا۔ مسلم صاحب نے کہا: ذرا اپنا قومی ورثہ پڑھ کر تو سناؤ۔ اس پر وہ نوجوان بغلیں جھانکنے لگا۔ وہ عربی میں لکھی سورۃ فاتحہ تھی جبکہ اسے عربی حروف کی پہچان ہی نہ تھی۔ تب مسلم صاحب نے سیاحوں کو مخاطب کر کے بتایا کہ یہ قرآن مجید کا پہلا چیپٹر (سورت) ہے جو اللہ کی تعریف اور دعا پر مشتمل ہے۔ پھر ایک ایک آیت پڑھ کر اس کا انگریزی ترجمہ سنایا تو سیاح حیران اور خوش ہوئے۔

صلاح الدین یا صلاطین؟

قیم جماعت اسلامی جناب لیاقت بلوچ جو یکم نومبر ۲۰۱۵ء کو ترکی کے عام انتخابات کا مشاہدہ کر کے آئے ہیں، 'ایشیا' میں لکھتے ہیں: HDP (خلق ڈیموکریٹک پارٹی) کے کو چیئرمین صلاطین دمرطاس..." جبکہ کردوں کی اس پارٹی کے لیڈر کا صحیح نام 'صلاح الدین دمیر تاش' ہے۔

گاما اسلامیہ اور جمال کا 'کمال'

ایک خبر میں مصر کی ایک جماعت کا نام 'گاما اسلامیہ' پڑھا تو سر پیٹنے کو جی چاہا۔ ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ مصر عرب ملک ہے اور عربی وہاں کی سرکاری و دفتری زبان ہے، نیز عربی میں حروف پ، ٹ، چ، ڈ،

ڑ، ژ، گ نہیں ہوتے۔ یہ الگ بات ہے کہ مصری عربی حرف 'ج' کا تلفظ 'گ' کی طرح کرتے ہیں، اس لیے انگریزی تحریروں میں حرف 'ج' لاطینی حرف G کی شکل اختیار کرلیتا ہے مگر اس صوتی تغیر کے باوجود عربی رسم الخط میں تو حرف 'ج' ہی رہتا ہے، جیسے جمال (مصری تلفظ 'گمال')، جمعہ (تلفظ 'گما')، جابر (تلفظ 'گابر')، لہٰذا عربی نام اُردو میں آکر تبدیل نہیں ہوتے۔ اگر مترجم صاحب یہ پہلو مدّ نظر رکھتے تو جان لیتے کہ Gama'a دراصل 'جماعہ' یا 'جماعت' ہے اور اسے گاما (پہلوان) سے کوئی نسبت نہیں۔

تاریخ اسلام اور نام نہاد دانشور کی جاہلانہ سوچ

نام تو عرفان حسین ہے مگر حسین رضی اللہ عنہ کے عرفان سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ روزنامہ 'دُنیا' (۸ جون ۲۰۱۵ء) میں لکھتے ہیں: ''عرب اور وسطی ایشیا سے آنے والے مسلم حملہ آور بھی توسیع پسندانہ عزائم کے ساتھ لشکر کشی کرتے دکھائی دیے۔ مشرقِ وسطیٰ، افریقہ اور یورپ کے کئی علاقے ایک ایک کرکے اسلام کے پرچم تلے سرنگوں ہوتے گئے۔ دوسری طرف صدیوں تک افغان حملہ آوروں کی یلغار سے ہندوستان میں خونریزی اور بربادی کی داستانیں رقم ہوتی رہیں۔ افغان حملہ آوروں کی برصغیر میں فوج کشی کی داستان آج بھی پتھر کا کلیجہ شق کردیتی ہے۔''

'عرفان' کے بجائے اس سراپا جہالت شخص کو مسلم فاتحین سب 'مسلم حملہ آور اور توسیع پسند' نظر آتے ہیں۔ گویا محمد بن قاسم، امیر ناصر الدین سبکتگین، سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے مقابل آنے والے راجہ داہر، جے پال، انندپال اور پرتھوی راج تو سراسر امن پسند اور معصوم تھے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ فروغِ حق کے لیے لڑنا جہاد ہے، حملہ آوری یا توسیع پسندی نہیں۔ اس جہل مرکّب کو طارق بن زیاد، سلطان الپ ارسلان سلجوقی، حاجب المنصور، امیر یوسف بن تاشفین، سلطان صلاح الدین ایوبی، سلطان رکن الدین الظاہر بیبرس اور سلاطین عثمانی کی فتوحات ایک آنکھ نہیں بھاتیں اور اسے رومیوں اور دیگر یورپیوں کے پرچم سرنگوں ہونے کا دُکھ مارے دے رہا ہے۔ وہ احمد شاہ ابدالی کو بھی خونریزی اور بربادی کی داستان رقم کرتے دیکھتا ہے، حالانکہ اس مجاہد عظیم نے شاہ ولی اللہ کی دعوت پر آکر مرہٹوں کی لوٹ مار سے مسلمانانِ ہند کو بچایا تھا جبکہ ان دہشت گردوں نے جنوبی ہند سے دریائے سندھ تک اور مشرق میں بنگال تک قتل و غارت کا بازار گرم کررکھا تھا۔ ابدالی

پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء) میں دہشت گرد ہندو مرہٹوں کے تین لاکھ کے لشکر کا صفایا کر کے مسلمانوں کی گرانبہا خدمت انجام دی تھی جو اس شپرہ چشم (عرفان حسین) کو نظر نہیں آتی اور علاء الدین خلجی اور احمد شاہ ابدالی کی فتوحات سے اس کا پتھر کا کلیجہ بلاوجہ شق ہوتا ہے۔ 'دنیا' کے نام سے اخبار اور چینل چلانے والے میاں عامر محمود سے تنخواہ پانے والے اس شخص کی ہفوات مسلمانان پاک و ہند کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہیں۔

اس قبیل کے ایک نام نہاد مؤرخ مبارک علی اور ایک جعلی دانشور منظور احمد بھی ہیں جو انگریز اور ہندو مؤرخین کی مسلمان حکمرانوں کے متعلق کذب بیانیوں کو اپنی تحریروں میں اُگلتے رہتے ہیں اور بدقسمتی سے ہمارے اخبارات اور میڈیا میں بیشتر قلم کار ایسے لوگوں کے لکھے کو حرفِ آخر سمجھ کر اپنے کالموں اور پروگراموں کی زینت بناتے ہیں۔ بھارتی مصنفین نے تاریخ کے نام پر بہت کچھ رطب و یابس بھر دیا ہے جو ہمارے ہاں انگریزی ذریعہ تعلیم کے غلبے کے باعث ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں کو تاریخ کے حوالے سے مسموم کر رہا ہے۔ ہمارے اربابِ حل و عقد اور محبِ اسلام اور محبِ پاکستان دانشوروں کے لیے یہ صورتِ حال ایک چیلنج ہے۔

سکھ مت اور انگریز

روزنامہ نوائے وقت کے ڈپٹی ایڈیٹر جناب سعید آسی لکھتے ہیں: ''سکھوں کا مذہب ویسا ہی انگریزوں کا ایجاد کردہ ہے جیسے اُنھوں نے قادیانیت کا فتنہ کھڑا کیا تھا۔''[1]

درحقیقت سکھوں کا مذہب گرونانک سے شروع ہوا جو دوسرے مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں کے عہد میں ۱۵۳۹ء میں فوت ہوئے۔ ان کے نویں گرو تیغ بہادر اور دسویں گرو گوبند سنگھ اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں گزرے اور گوبند سنگھ نے لفظ سنگھ بمعنی 'شیر' کو سکھوں کے نام کا حصہ بنا دیا، لہٰذا سکھ مت کو انگریزوں کا ایجاد کردہ قرار دینا ہرگز درست نہیں۔ لاہور کی سکھ ریاست (۱۷۹۹ء تا ۱۸۴۹ء) بھی انگریزی دور سے پہلے قائم تھی۔ اس کے خاتمے پر سکھ برطانوی فوج میں شامل ہو گئے اور

۱ 'بیٹھک' سعید آسی: 'نوائے وقت' ۱۳/ نومبر ۲۰۱۵ء

مشرقی پنجاب کی سکھ ریاستوں کی مدد سے انگریزوں نے ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی کو دوبارہ فتح کیا۔

ٹیپو اور کارنوالس

اثر چوہان 'سیاست نامہ' میں لکھتے ہیں: ''ٹیپو سلطان نے بہ حالتِ مجبوری مدراس کے انگریز گورنر لارڈ کارنوالس سے معاہدے (۱۷۹۲ء) کے تحت اپنے دو بیٹوں کو یرغمال کے طور پر بھجوا دیا۔''

حقیقت یہ ہے کہ لارڈ کارنوالس مدراس کا گورنر نہیں، 'گورنر جنرل آف انڈیا' تھا کیونکہ انگریز جنگِ پلاسی (جون ۱۷۵۷ء) اور جنگِ بکسر (۱۷۶۴ء) جیت کر بنگال، بہار اور اڑیسہ کی حکمرانی حاصل کر چکے تھے اور بمبئی اور مدراس کے انگریز گورنر کلکتہ میں مقیم گورنر جنرل کے ماتحت تھے۔ کارنوالس ۱۷۸۳ء میں امریکی ہیرو جارج واشنگٹن سے شکست کھا کر ہندوستان آیا تھا۔ تیسری جنگ میسور (۹۲-۱۷۸۹ء) میں انگریز نظام حیدر آباد (دکن) اور مرہٹوں کی مدد سے سلطنتِ میسور کو شکست دینے میں کامیاب رہے تھے اور سلطان کو اپنے دو بیٹے بطورِ یرغمال بھیجنے کے علاوہ اپنی نصف سلطنت بھی انگریزوں کے حوالے کرنی پڑی تھی۔